افاداتِ حافظ ابن القیمؒ

اصلاحِ قلب کی اہمیت و ضرورت

(از مولانا محمد یحییٰ صاحب خطیب جامع اہلحدیث ۔ شرقپور کلاں ضلع شیخوپورہ)

یہ امر مسلم ہے کہ دوسری تمام مخلوق پر انسان کا سارا فضل و شرف اور فوقیت و برتری اس کی استعداد قلبی کی رہین منت ہے ۔ انسان اس ممتاز اور اعجوبہ روزگار قلب کی صلاحیتوں کو کام میں لاکر (انبیاء کے بعد) کبھی تو صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمانؓ و علیؓ کی صورت میں نمودار ہوا ۔ اور کبھی حسنؒ و عطاؒ و جنیدؒ و بایزیدؒ اور ابن تیمیہؒ و ابن القیمؒ کی سیرت میں ظہور پذیر ۔ اس قلب کو جلا دینے والوں نے کبھی بازاروں میں فرشتوں سے مصافحہ کیا اور کسی وقت تختۂ دار پر فلست ابالی حین اقتل مسلما کی صدا بلند فرمائی ۔ دل کی استعداد و صلاحیت نے ایک فقیر بے نوا کو بڑی بڑی جابر بادشاہتوں کے مقابلہ میں نہ صرف ثابت قدم رکھا بلکہ استبداد کو حق کے سامنے سرنگوں ہونے پر بالآخر مجبور کر دیا تھا یعنی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ۔

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد ہیں جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دل نواز (اقبال)

حقیقت یہ ہے کہ خالق کائنات نے قلب انسانی کو بڑی صلاحیت بخشی ہے ۔ اعمال کا بناؤ اور بگاڑ اخلاق کی پاکیزگی اور ناپاکی اور ہر طرح کا خیر و شر صرف دل ہی کا کارنامہ ہے ۔ اس کا سنوار جسم خاکی کو فرشتہ خصلت انسان بنا سکتا ہے ۔ اور اسی کا بگاڑ اسفل السافلین میں جا کھڑا کرتا ہے کیونکہ جب قلب قوت حاصل کر لیتا ہے تو نفس کے تقاضے خود خاموش ہو جاتے ہیں اور قلب کی مغلوبیت کی صورت میں نتیجہ برعکس ۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ میں دل کو بڑی اہمیت دی گئی ہے ۔ الا ان فی الجسد مضغۃ

اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ (مشکوٰۃ) یعنی جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ہے — جب وہ درست ہو جائے تمام اعضائے جسم سنور جائیں گے اور اس ایک میں بگاڑ پیدا ہونے سے کل اعضا میں بگاڑ آجائے گا۔"

شیخ الاسلام علامہ ابن قیمؒ قلب کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

نجد ملکا عظیما جالسا علی سریر مملکته یامر وینهی ویولی ویعزل وقد حفت به الامراء والوزراء والجند کلهم فی خدمته، ان استقام استقاموا وان زاغ زاغوا وان صح صحوا وان فسد فسدوا فعلیه المعول وهو محل نظر الرب تعالیٰ ومحل معرفته ومحبته وخشیته والتوکل علیه والانابة الیه والرضی به وعنه والعبودیة علیه اولاً وعلی رعیته وجنده تبعًا فاشرف ما فی الانسان قلبه فهو العالم بالله، الساعی الیه المحب له وهو محل الایمان والعرفان وهو المخاطب المبعوث الیه الرسل المخصوص باشرف العطایا من الایمان والعقل وانما الجوارح اتباع للقلب یستخدمها استخدام الملوك للعبید والراعی للرعیة والذی یسری الی الجوارح من الطاعات والمعاصی انما هی آثاره فان اظلم اظلمت الجوارح وان استنار استنارت (اقسام القرآن ص٢١٣ طبع ثانی مصر)

یوں سمجھو کہ ایک عظیم بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہے جو امر و نہی میں اعضا پر حکومت کرتا ہے جس کے گرد بڑے بڑے امیروں وزیروں اور سپاہیوں کا حلقہ ہے سب اسی کے اشارہ حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ اگر یہ سیدھی راہ چلے تو سب ماتحت سیدھی راہ اختیار کریں گے اور اگر یہی ٹیڑھا چل نکلا تو سب اس کے پیچھے ٹیڑھی راہ چلیں گے اس ایک کا صحیح ہونا سب کی صحت کا ضامن اور اس ایک کے فساد سے سب میں بگاڑ آ جاتا ہے۔ ساری رعیت کے خیر و شر کا بس اسی ایک پر دار و مدار ہے۔

خدائے قدوس کی نظر بھی صرف قلب انسانی ہی پر ہے۔ معرفت و محبت الٰہی خشیت و خوف، امید اور انابت، رضا بقضا ان سب کا مقامِ مقرر یہی ایک دل ہے۔ جسم انسانی میں اشرف و اعلیٰ چیز یہی

"قلب ہے یہی عالم باللہ اور ساعی الی اللہ ہے۔ خدائے قدیر سے محبت اسی دل کا کام ہے یہی ایمان و عرفان کا گنجینہ اور خطاب شریعت کا مخاطب۔ ایمان و عرفان ایسی قیمتی نعمت صرف قلب کے حصہ میں آئی ہے۔ ہاتھ، پاؤں، گوش و چشم اور زبان سب قلب کے خادم ہیں۔ ان سب سے ایک ادنےٰ نوکر کی طرح خدمت لیتا ہے اور اعضاء کی ساری اطاعت و معصیت کا سرچشمہ یہی قلب ہے۔ اس پر تاریکی چھائی تو سب تاریک۔ اور دل میں نور ہدایت چمک اٹھا تو سب اعضاء روشن۔

گمراہیوں کا منبع حافظ ابن القیمؒ نے یہاں "قلب" پر اخلاقی حیثیت سے اس کی اصلاح پر بحث کی ہے لیکن دنیا میں پھیلی ہوئی عقائد و اعمال کی ساری کجرویوں اور گمراہیوں کے متعلق بھی انہوں نے یہی تجزیہ کیا ہے اور متعدد مقامات پر اس کی تحقیق کی ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان غلط راہ پر یا تو اس لئے پڑ جاتا ہے کہ اسے کسی صحیح بات کا علم نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ نیک نیتی سے کراچی جانے کے لئے رختِ سفر باندھتا ہے لیکن راستہ کا علم نہ ہونے کے باعث چل پڑتا ہے پشاور کے راستہ پر یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر انبیاء کے طریقہ کا علم حاصل نہیں کرتا اور دوسرا شخص صحیح بات کا علم رکھنے کے باوجود کسی نہ کسی جذبۂ نفسانی کی وجہ سے اس کی مخالفت کرتا ہے پہلے باعث کا وہ نام رکھتے ہیں "فسادِ علم و معرفت" اور دوسرے کا نام ہے "فسادِ مقصد و ارادہ"۔ فرماتے ہیں اول الذکر گروہ کو سورۂ فاتحہ میں "ضالّ" (گم کردہ راہ) کا عنوان دیا گیا ہے اور دوسرے گروہ کو "مغضوب علیہم" (غضب الٰہی کے مورد) کہا گیا ہے۔ اور جو صحیح و سالم قلوب، علم کی خرابی اور طلب و ارادہ کی کجی سے محفوظ ہیں وہ ہیں "منعم علیہم" (حق تعالیٰ کے انعام یافتہ) اور ان کی راہ ہے "صراط مستقیم" (سیدھی راہ) اس لئے سورہ فاتحہ میں اس دعا کی تلقین کی گئی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔

اس مقام پر ان کی بے نظیر تصنیف مدارج السالکین سے ایک مختصر سی تقریر کی تلخیص ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے اس نقطۂ نظر کی کافی وضاحت ہو سکے گی۔

حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

"دل کی روحانی بیماریوں کے دو منبع ہوتے ہیں (۱) علم و ادراک اور معرفت و تمیز کا بگاڑ۔ (۲) مقصد و ارادہ کی خرابی۔ اول الذکر باعث گمراہی اور دوسرے موجب غضب الٰہی ہوتے ہیں

یعنی جہالت اور نوٹ نیت میں فساد آجانے سے گم کردہ راہ لوگوں کے سے اعمال صادر ہوں گے۔ اور اگر علم کے باوجود انسان صحیح بات کی مخالفت کرے تو اس سے غضب الٰہی کا مستوجب ہوگا ـــــ درحقیقت یہی دو چیزیں دل کی ساری اعتقادی وعملی بیماریوں کا سرچشمہ ہیں۔ اسی لئے سورۂ فاتحہ میں "صراط مستقیم" پر گامزن رہنے کی درخواست کی تلقین کی گئی ہے۔ اور ہر مسلمان کو ہر روز اور ہر نماز میں کئی کئی بار اس دعا کو دہرانے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک عبد مومن پر یہ سوال اہم فریضہ کے طور پر واجب قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایک طرف مطلوب کی اہمیت وضرورت کا تقاضا ہے۔ دوسری طرف انسان کا فقر و احتیاج۔ اسی لئے کوئی بھی دوسرا سوال اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا ـــــ ایاك نعبد وایاك نستعین کے دو جملے علم ومعرفت کے مرتبہ میں بھی اور عمل وحال کی زندگی میں بھی ہر دو امراض کی کلی شفا کا بہترین نسخہ اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔

قصد وطلب میں بھٹکنا، غرض وغایت اور نصب العین متعین کرنے میں غلطی کے سبب ہوتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ذرائع ووسائل اختیار کرنے میں۔ دھوکہ کھا جانے کا باعث ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جس شخص نے اپنا مطلوب کسی ناپائیدار اور فانی چیز کو قرار دے لیا اور پھر ہر طرح کے وسائل سے اپنی پوری کوشش اس کو حاصل کرنے میں صرف کر ڈالی یقیناً مطلوب اور اس کے ذرائع دونوں سے فاسد نتائج پیدا ہوں گے۔"

پھر لکھا ہے کہ اس کا نمونہ دیکھنا منظور ہو تو مندرجہ ذیل تین گروہ اس کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

(۱) وہ مشرک آدمی جس نے اپنا مقصود ومطلوب ماسوا اللہ کو ٹھیرا لیا ہو ـــــــــــ اللہ تعالےٰ سے، انسان کو جس درجہ کا تعلق، جس قسم کا عجز ونیاز، جس مرتبہ کی محبت اور جس درجہ کی التجا درکار ہے اس طرح کے یہ سب کام غیر اللہ، پیر، بت، قبر وغیرہ ـــــ کے لئے بجا لائے۔ اس کو حاجت روا جان کر اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگے، اٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیتا اور نذر نیاز چڑھاتا ہے۔ غرض جو تعلق براہ راست، اللہ تعالےٰ سے ہونا چاہیئے وہ ماسوی اللہ سے ہوتا ہے

(۲) ہوائے نفسانی کا غلام، جس کے حب وبغض خواہش کے تابع ہو جائیں۔ دیتا ہے تو اپنی خواہش

کے لئے اور روکتا ہے تو ہوس کے لئے، اسی کی خواہش رضائے الٰہی پر مقدم رہتی ہے المھوی امامہ والشھوۃ قائدہ کا مصداق ہے۔ غرض ہوا و ہوس سے آگے اس کی کوئی غایت ہی نہیں۔

(۳) دنیوی جاہ و حشمت کے بھوکے، جن کا منتہائے مراد اس دنیائے دوں کا عز و وقار ہے۔ سیادت و قیادت قائم کرنے اور اس کو چمکانے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ جب کبھی حق و صداقت ان کی جاہ طلبی کی راہ میں رکاوٹ بنیں اس کو پاؤں میں کچل دیتے ہیں اگر کچلنے پر قادر نہ ہوں تو جس طرح حملہ آور دشمن کو پوری ہمت سے پیچھے ہٹایا جاتا ہے وہ امر شرعی کو دھکے دیتے ہیں۔ اگر اس سے بھی عاجز ہو جائیں تو شریعت کو وہیں پڑا چھوڑ کر کوئی دوسری راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ غرض امر حق کو دبانے کے لئے پوری امکانی کوشش کرتے ہیں۔ پھر اگر کوئی چارۂ کار نہ رہے تو اعطوہ السکۃ والخطبۃ وعزلوہ عن التصرف والحکم والتنفیذ (ص[۲۹])

اور اگر امر شریعت سے اپنی جاہ و ریاست بنانے میں کوئی مدد ملتی ہو اور اس کو مضبوط ہتھیار بنا کر اپنے مزاحم پر حملہ آور ہوتے ہیں پھر اس کی اچھائی اور بہتری کے گن گانے لگتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ ایک امر حق ہے بلکہ محض اس بنا پر کہ ان کی غرض مندی میں معاون ہے۔

ایسے لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے کیا ہی اچھا ارشاد فرمایا ہے۔

واذا دعوا الی اللہ ورسولہ	"اور جب ان کو بلایئے اللہ اور اس کے
لیحکم بینھم اذا فریق منھم	رسول کی طرف ان میں قضیہ چکایئے۔ تو
معرضون۔ وان یکن لھم الحق	ان میں سے ایک فریق ایسا ہے جو اس سے
یاتوا الیہ مذعنین۔ افی قلوبھم	اعراض کرتا ہے اور اگر ان کو ماننے میں
مرض ام ارتابوا ام یخافون	فائدہ نظر آتا ہو تو چلے آئیں گے اس کی طرف
ان یحیف اللہ علیھم ورسولہ بل	قبول کر کے۔ کیا ان کے دلوں میں روگ ہے
اولئک ھم الظالمون۔	یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ یا ڈرتے

ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان سے اللہ اور اس کا رسول۔ کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں۔"

غرض ان کا نصب العین اور وسائل تحصیل دونوں فاسد النتیجہ ہیں۔

اس تفصیل کے بعد فرماتے ہیں۔

"جب ان مذکور گروہوں کا مطمح نظر جس کے پیچھے پڑے رہے باطل اور بے فائدہ ہو گیا تو انہیں بہت بڑے خسارے اور شدید ترین حسرت کا سامنا ہو گا۔ اور کل کائنات انسانی سے زیادہ ندامت و پشیمانی لاحق ہو گی۔ جب حق حق اور باطل باطل ہو جائے گا اور دنیاوی تعلقات اور رشتے ایک ایک ہو کر کٹ جائیں گے پھر انہیں یقین کامل ہو گا کہ کامرانی و سعادت کی راہ پر چلنے والوں سے کتنے پیچھے اور دور رہے ——— یہ گھاٹا اور خسارہ لبا اوقات اسی دنیا ہی میں نمودار ہو جاتا ہے اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت یہ ظہور بہ نسبت دنیا زیادہ قوی ہو گا۔ عالم برزخ میں اس سے زیادہ۔ اور بڑی پیشی (قیامت) کے دن تو تمام حقائق پوری طرح کھل کر سامنے آجائیں گے۔ حق کے طالب کامیاب و کامران اور باطل پرست بڑے خسارے میں ہوں گے۔ اسی میدان میں انہیں علم ہو گا کہ وہ اپنا مطلوب و مقصود متعین کرنے میں کتنے غلط کار اور فریب خوردہ تھے۔ لیکن ہائے حسرت کہ اس جگہ علم ہو جانا سود مند نہیں اور نہ یقین کرنا نجات بخشش۔

یہ بھی یاد رہے کہ جس آدمی نے اپنا مطلوب و مقصود اعلیٰ ہستی اور اصل حق کو بنایا ہے لیکن حاصل کرنے کے لئے ذریعہ اور راہ غلط اختیار کی ہے جو طریقہ منزلِ مقصود سے دور لے جانے والا ہے۔ اپنی نادانی سے اسی کو موصل الی المطلوب گمان کر بیٹھا تو بلحاظ نتیجہ یہ بھی ان کے ساتھ ہو گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک فاسد القصد اور فاسد النتیجہ ہے۔ اس مرض کی شفا صرف ایاك نعبد وایاك نستعین ہی کی دوا میں ہے۔"

(مدارج السالکین بین منازل ایاك نعبد وایاك نستعین ص ۲۹-۳۰/۱۷۰)